مسائل خمس: قرآن وسنت کی روشنی میں

(سوال وجواب کی صورت میں)

آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(جملہ حقوق محفوظ)

کتاب: خمس: قرآن وسنت کی روشنی میں

تالیف: آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی

اشاعت: اول۔ مارچ 2018

تعداد: ایک ہزار

مطبع: معراجدین پرنٹنگ پریس۔لاہور

نوٹ: اس کتاب میں درج قرآنی آیات اوراحادیث مبارکہ کی پروف ریڈنگ بہت احتیاط سے کی گئی ہے۔اس کے باوجوداگر قارئین کو کوئی غلطی نظر آئے تواس کی ضرور نشاندہی کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح کی جاسکے۔جزاکم اللہ۔

شعبہ نشرواشاعت دفتر آیت اللہ ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی۔لاہور

فہرست

1۔خمس کسے کہتے ہیں اور یہ کن چیزوں پر واجب ہے؟ ---------------------8
2۔ قابل غور نکتہ---14
3۔غوطہ،خزانہ،معدنیات کوغنیمت میں شمار کرنا؟-----------------------15
4۔کیاخمس سال بھر کے اخراجات نکالنے کے بعد باقی ماندہ مال پر واجب ہوتا ہے؟-- -------16
5۔ذمی سے خمس لینے کاحکم؟ -------------------------------17
6۔مال حلال جس میں مال حرام مخلوط ہو گیاہواس کے خمس کی کیا حیثیت ہے؟-----------18
7۔خمس کے مصارف کیاہیں؟------------------------------------19
8۔زمانہ غیبت میں خمس اور سہم امام کاحکم کیاہے؟---------------------------21
9۔خمس کے بارے میں ایک نئی بدعت؟-------------------------------28
10۔خمس میں کرپشن کی ایک دردناک کہانی-------------------------------28
11۔آئمہ معصومین کویتیم کہنےوالی یتیم حدیث---------------------------29
12۔آیت خمس کاغلط ترجمہ--32
13۔خمس کے بارے میں ایک اورروایت--------------------------------33
14۔خمس فنڈ بنانے کاحکم؟---35
15۔تنخواہ کے بقایاجات پرخمس---------------------------------------36
16۔ایک سکول کی پرنسپل کامسئلہ--------------------------------------36
17۔بیٹی کی شادی کے اخراجات کاخمس-----------------------------------37
18۔اگرموجودہ رائج نظام خمس کوختم کردیا گیاتو؟---------------------------37
19۔خلاصہ مسائل خمس---39

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ و الصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولینا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین

خمس کے بارے میں قرآن وسنت اور احادیث معصومین کی روشنی میں ایک تحریر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے کہ اصل موضوع پر بات شروع کی جائے چند بنیادی اہمیت کے نکات کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ نکات صرف اس تحریر کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے بلکہ اسلامیات سے تعلق رکھنے والے کسی بھی مسئلہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ان نکات کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے:

1۔ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

ترجمہ: اللہ کے ہاں پسندیدہ اور قابل قبول دین اسلام ہے۔ (آل عمران:19)

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ

ترجمہ: جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا اللہ کے ہاں اس کا دین قبول نہیں ہوگا۔

(آل عمران:85)

یہ اسلام جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے رسول اللہ کی زندگی میں مکمل ہو گیا:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی

اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کر لیا۔ (مائدہ:3)

2۔ دین اسلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں مکمل ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ سب حرام و حلال رسول اللہ کی زندگی میں بیان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ کوئی نیا حکم نازل ہو سکتا ہے نہ ہی آپ کی زندگی میں نازل شدہ کوئی حکم منسوخ ہو سکتا ہے اور نہ احکام شریعت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے۔

3۔ آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید اور سنت نبوی کے احکام کے بیان کرنے والے اور ان کی تشریح و تطبیق کرنے والے معصوم معلم تھے۔ وہ کوئی نیا حکم نہیں دے سکتے تھے اور نہ ہی کسی حکم کو منسوخ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے بار بار فرمایا کہ ہماری روایات کو قرآن اور سنت رسول کی روشنی میں دیکھو۔ اگر وہ قرآن اور سنت رسول کے مطابق نہ ہوں تو انہیں رد کر دو۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن سماعه عن ابی الحسن موسیٰ علیه السلام قال قلت له اکل شیئ فی کتاب الله وسنة نبیه او تقولون فیه؟ قال بل کل شیئ فی کتاب الله وسنة نبیه

ترجمہ: سماعہ سے روایت ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا: کیا ہر چیز کا حکم اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت میں موجود ہے یا آپ بھی اس بارے میں کچھ کہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہر چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت میں موجود ہے۔ (کافی جلد اول، باب الرد الی الکتاب والسنۃ، حدیث 10)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اس فرمان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اپنے اپنے دور میں حالات کے مطابق کتاب وسنت میں بیان شدہ احکام کو بیان کرتے تھے، اپنے پاس سے کوئی نیا حکم بیان نہیں کرتے تھے۔ ایک اور حدیث سن لیجیے:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

کل شیئ مردود الی الکتاب و السنة و کل حدیث لا یوافق کتاب الله فهو زخرف

ترجمہ: ہر چیز کتاب اور سنت کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر حدیث جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے۔

(کافی جلد 1، باب الاخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب حدیث 3)

4۔ بہت سے فقہی مسائل کے بارے میں مجتہدین کے فتاویٰ میں اختلاف پایا جاتا ہے اور روایات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی بھی مجتہد سب روایات کو قبول نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر اہل کتاب یعنی یہود و

نصاریٰ کے پاک یا نجس ہونے کے بارے میں فقہاء کے فتاویٰ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور احادیث میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو فقہاء ان کی نجاست کا فتویٰ دیتے ہیں وہ ان کی طہارت کی روایات کو رد کرتے ہیں اور جو ان کو پاک سمجھتے ہیں وہ ان کو نجس قرار دینے والی روایات کو رد کرتے ہیں۔ کوئی بھی فقیہ اور مجتہد کتب حدیث میں پائی جانے والی سب احادیث کو قبول نہیں کر سکتا۔ فقہاء میں ایک یہ رویہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ روایات کو سیدھا سیدھا رد کرنے کی بجائے ان کی تاویل کرتے ہیں لیکن اس قسم کی تاویل درحقیقت رد کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔

5۔ خمس اور زکوٰۃ کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان سب روایات کو ایک ساتھ قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ آپ ایک مضمون کی روایات کو قبول کریں گے تو اس کے خلاف روایات کو لامحالہ رد کرنا ہوگا۔ لہٰذا اس بات سے گھبرانے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کچھ روایات کو رد کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ جو بھی نظریہ اپنائیں اس نظریے کے خلاف روایات آپ کو رد ہی کرنی پڑیں گی خواہ سیدھا سیدھا رد کریں یا تاویل کا تکلف کر کے رد کریں، ہر مجتہد یہی کرتا ہے۔

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ کی یاد آوری بھی ضروری ہے۔ کسی بھی بات کو سنتے ہوئے، پڑھتے ہوئے یا اس پر غور کرتے ہوئے انسان کی تین ذہنی کیفیتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ کھلے ہوئے ذہن (Open mind) سے بات سننا۔

2۔ تنگ ذہن (Narrow mind) سے بات سننا۔

3۔ بند ذہن (Close mind) سے بات سننا۔

اس کتابچہ میں مسائل خمس کو فقہاء کی تقلید سے بالاتر ہو کر قرآن مجید اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی آپ کی ان تین میں سے کوئی ایک ذہنی کیفیت ہو سکتی ہے۔ کسی بات کو صحیح طرح سے سمجھنے کے لیے اور اس کے بارے میں عادلانہ فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے کھلے ذہن (Open mind) کے ساتھ سنا یا پڑھا جائے۔ لہٰذا اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت ایک بار اپنا جائزہ ضرور لے لیں کہ آپ مندرجہ بالا تین کیفیات میں سے کس کیفیت کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ ہم اپنے ہر عمل کے لیے اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ

ہیں۔اس کتاب کے مندرجات کوقبول کرنا یارد کرنا آپ کا بنیادی انسانی حق ہے۔لیکن خواہ آپ اسے قبول کریں خواہ رد کریں، دونوں صورتوں میں آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔لہٰذا آپ سے بہت عاجزی کے ساتھ درخواست ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اس طرح سے کریں جیسے ایک جج کسی مقدمے کے دلائل کا مطالعہ کرتا ہے۔ایک ایک نکتہ پرخوب غوروفکر کریں اور پھراپنے ایمان، اپنے ضمیراوراپنے عقل وشعور کے ساتھ عادلانہ فیصلہ کریں۔فیصلہ آپ کا اپنا ہونا چاہیے،اندھی تقلید پر مبنی فیصلہ کی کوئی قدرو قیمت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کوتعصب اوراندھی تقلید سے بالاتر ہوکرعدل وانصاف کے ساتھ سننے اورفیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والحمدللہ رب العالمین۔

ڈاکٹرسید نیاز محمد ہمدانی۔لاہور

10-10-2017

www.drhamadani.com

syedniazm@yahoo.com

www.facebook.com/DrNiazMuhammadHamadani

youtube/Ayatullah Dr.Syed Niaz Muhammad Hamadani

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: خمس کسے کہتے ہیں اور یہ کن چیزوں پر واجب ہے؟

جواب: خمس عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں پانچواں حصہ۔ فقہی اصطلاح میں اس سے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مراد ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ

ترجمہ: اور جان لو کہ جو چیز تم بطور غنیمت حاصل کرو اس کا خمس (یعنی پانچواں حصہ) اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور رسول کے قرابتداروں کے لیے اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ (انفال: 41)

اس آیت کی رو سے خمس مالِ غنیمت پر واجب ہے۔ لغت میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو محنت اور مشقت کے بغیر حاصل ہو۔ کتب لغت سے شواہد:

مفردات راغب اصفہانی لغات قرآن کی وہ کتاب ہے جس سے قرآن کا کوئی طالب علم خود کو بے نیاز محسوس نہیں کر سکتا۔ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص قرآن کا طالب علم ہو اور مفردات راغب اس کی لائبریری میں نہ ہو۔ استاد محترم آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ اپنے استاد گرامی قدر علامہ سید محمد حسین طباطبائی رضوان اللہ علیہ کا یہ قول اکثر نقل کرتے تھے کہ مفردات راغب لغات قران میں معجزے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں غنیمت کے معنی اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

الغنم معروف قال ﴿ومن البقر والغنم حرمنا عليهم شحومهما﴾ والغنم إصابته والظفر به ثم استعمل في كل مظفور به من جهة العدى وغيرهم. قال: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء - فكلوا مما غنمتم حلالا طيبا﴾ والمغنم ما يغنم وجمعه مغانم، قال: ﴿فعند الله مغانم كثيرة﴾.

ترجمہ: غنم یعنی بھیڑ معروف ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور غُنم بھیڑ تک دسترس اور غلبہ حاصل کرنے کو کہتے ہیں اس کے بعد

یہ لفظ ہراس چیز کے لیے استعمال ہونے لگا جس پر انسان کو غلبہ حاصل ہو چاہے دشمن سے ہو یا کسی اور سے......
اور مغنم اس چیز کو کہتے ہیں جو بغیر محنت اور کوشش کے ہاتھ آئے اور اس کی جمع مغانم ہے......

مفردات میں بیان شدہ معنی کو آسان لفظوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ بنیادی طور پر بھیڑ بکری مل جانے کو غنیمت کہتے ہیں بعد میں یہ لفظ ہراس فائدے کے لیے استعمال ہونے لگا جو بغیر محنت و مشقت کے حاصل ہو۔

لسان العرب میں ہے:

الغنم الفوز بالشیء من غیر مشقة (جلد 12 صفحہ 445)

ترجمہ: کسی چیز کو محنت و مشقت کے بغیر حاصل کر لینے کو غنیمت کہتے ہیں۔

قاموس ابجدی میں ہے:

غنم غنما الشیء برآنچیزی بی رنج وزحمت دست یافت۔

ترجمہ: غنم غنما الشیء کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اس چیز کو بغیر مشقت کے حاصل کرلیا۔

تاج العروس میں ہے:

والغنم الفوز بالشیء بلا مشقة

ترجمہ: کسی چیز کو مشقت کے بغیر حاصل کر لینے کو غنیمت کہتے ہیں۔

اس سے ثابت اور واضح ہو گیا کہ غنیمت اس چیز کو کہتے ہیں جو بغیر محنت و مشقت کے حاصل ہو۔لہٰذا اگر کبھی محنت مشقت کی کمائی پر غنیمت کا لفظ بولا جائے گا تو وہ اس لفظ کا مجازی استعمال ہوگا۔

جہاد میں دشمن سے حاصل ہونے والے اموال و اسباب کو اس لئے غنیمت کہا جاتا ہے کہ بنیادی طور پر مسلمان اللہ کی خوشنودی کے لیے اسلامی سرزمین کی حفاظت کے لئے کفار کی جارحیت کے خلاف دفاعی جنگ کرتا ہے جسے قرآن میں جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔اس کی جنگ کا مقصد دشمن کا مال و اسباب لوٹنا نہیں ہوتا۔دشمن کی شکست کی صورت میں اس کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب جو بطور غنیمت مجاہدین اسلام کے ہاتھ میں آتے ہیں وہ ایک ضمنی اور ذیلی فائدہ ہوتے ہیں۔اگر جنگ کا مقصد ہی دشمن کا مال و اسباب لوٹنا ہو تو وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں بلکہ غارت گری کہلائے گی اور اس سے حاصل ہونے والا مال و اسباب بھی ظالمانہ لوٹ مار کے زمرے میں آئے گا۔

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ جو مال تمہیں غنیمت کے طور پر حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ یعنی خمس ادا کرنا واجب ہے۔اس آیت کی رو سے خمس صرف غنیمت پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ خمس کی یہ آیت 2 ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً نو سال تک زندہ رہے۔اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ آپ نے اسلامی ریاست کے شہریوں کی آمدنی یا بچت پر خمس عائد کیا ہو۔اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دور حکومت میں گورنروں اور عاملین کو زکوٰۃ کے بارے میں تفصیلی احکام صادر فرمائے۔لیکن خمس کے بارے میں ایسے کوئی احکامات نہیں ملتے۔لہٰذا خمس صرف مال غنیمت پر ہے۔اس بات کی مزید تائید امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

لیس الخمس الا فی الغنائم خاصه

ترجمہ: غنائم کے سوا کسی چیز میں خمس نہیں ہے، یہ غنائم کے ساتھ خاص ہے۔(فقیہ 40: 3)

اس جملے کے معنی کو صحیح طرح سے سمجھنے کے لیے اس جملے پر غور کریں:

لا	اله	الا	الله
نہیں ہے	کوئی معبود	سوائے	اللہ کے

اب کلمہ توحید کے انداز یعنی لا الہ الا اللہ کے انداز کو سامنے رکھتے ہوئے خمس کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد کو اسی ترازو میں تولتے ہیں:

لا	اله	الا	الله	
نہیں ہے	کوئی معبود	سوائے	اللہ کے	
لیس	الخمس	الا	فی الغنائم	خاصه
نہیں ہے	کوئی خمس	سوائے	غنائم میں	خاص

بات لا اله الا الله طرح واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسی طرح غنائم کے سوا کسی چیز میں خمس نہیں ہے، اور خمس کا حکم غنائم کے ساتھ مخصوص ہے۔غنائم غنیمت کی جمع ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر محنت ومشقت کے ہاتھ آجائے۔

بنابریں، خمس صرف مال غنیمت پر عائد ہوتا ہے خواہ وہ میدان جنگ سے حاصل ہونے والی غنیمت ہو یا

کسی اور ذریعے سے محنت ومشقت کے بغیر حاصل ہونے والا مال ہو جیسے دفن شدہ خزانہ مل جائے، یا معدنی ذخائر اور دریاؤں اور سمندروں سے حاصل ہونے والے موتی وغیرہ۔

ایک اور حدیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہے: محمد ابن ابی عمیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْخُمُسُ عَلٰی خَمْسَةِ اَشْيَاء :اَلْكُنُوْزِ وَالْمَعَادِنِ وَالْغَوْصِ وَالْغَنِيْمَةِ وَنَسِيَ اِبْنُ اَبِيْ عُمَيْرٍ الْخَامِسَةَ (وسائل الشیعہ جلد 9، باب وجوب الخمس فی المعادن، حدیث 7)

ترجمہ: خمس پانچ چیزوں پر ہے: خزانہ، معدنیات، غوطہ اور غنیمت، پانچویں چیز ابن ابوعمیر کو بھول گئی۔

1۔ کنوز یعنی دفن شدہ خزانے۔ یعنی آپ نے اپنی زمین کھودی اور اس میں سے کوئی دفن شدہ خزانہ برآمد ہو گیا۔

2۔ معادن یعنی معدنیات، سونا چاندی، کوئلہ، نمک، گندھگ، ہیرے، پٹرول اور اس طرح کی دیگر اشیاء۔

3۔ غوص یعنی وہ موتی اور قیمتی پتھر جو دریا وسمندر میں غوطہ لگانے سے ہاتھ آئیں۔

4۔ غنیمت یعنی میدان جنگ میں دشمن سے حاصل ہونے والا مال واسباب۔

5۔ پانچویں چیز ابن ابی عمیر کو بھول گئی۔

ابن ابی عمیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خمس پانچ چیزوں میں واجب ہے۔ ان میں سے ایک ابن ابی عمیر کو بھول گئی۔ کسی امام علیہ السلام سے یہ بات وارد نہیں ہوئی کہ جو پانچویں چیز ابن ابی عمیر کو بھول گئی تھی وہ کیا ہے۔ بنابریں اس روایت کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خمس چار چیزوں پر واجب ہے۔ اس لیے کہ امام علیہ السلام کی بیان کردہ پانچ چیزوں میں سے ایک چیز ابن بوعمیر بھول گئے تو چار چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔

اس بات کی تائید مولا علی علیہ السلام سے مروی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

اَلْخُمُسُ يُخْرَجُ مِنْ اَرْبَعَةِ وُجُوْهٍ: مِنَ الْغَنَائِمِ الَّتِيْ يُصِيْبُهَا الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَمِنَ الْمَعَادِنِ وَمِنَ الْكُنُوْزِ وَمِنَ الْغَوْصِ

ترجمہ: خمس چار چیزوں سے نکالا جاتا ہے: وہ غنیمت جو مشرکوں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتی ہے، معدنیات، دفن شدہ خزانے اور غوطہ زنی سے حاصل ہونے والے موتی۔ (وسائل الشیعہ جلد 9 صفحہ 490)

مولا علی علیہ السلام کے اس فرمان میں ان ہی چار چیزوں کا ذکر ہے جو ابن ابی عمیر کو یاد رہ گئیں۔ یہ بات بھی ممکن

ہے بلکہ قرین صواب ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ خمس چار چیزوں پر واجب ہے اور ابن ابی عمیر کو غلط فہمی ہوگئی ہو کہ آپ نے پانچ چیزوں پر خمس کے واجب ہونے کو بیان فرمایا ہے۔

بہرحال جو مال آپ کام کاج، محنت اور کوشش سے کماتے ہیں وہ کسی صورت غنیمت کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ اس کے لیے قرآن مجید میں لفظ کسب استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کمائی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

ترجمہ: جو پاکیزہ چیزیں تم کماتے ہو ان میں سے اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ (بقرہ:267)

اس آیت پر تفصیل سے بات زکات کے ذیل میں ہوگی۔ فی الحال یہ بات سامنے رکھنے کی ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں مال کی ایک قسم وہ ہے جو آپ اپنے عمل اور کوشش سے کماتے ہیں اور ایک وہ جو بغیر کسی محنت اور کوشش کے حاصل کرتے ہیں:

1۔ مَا كَسَبۡتُمۡ ۔ جو تم نے کمایا (یعنی جو کچھ تم کماتے ہو)۔

2۔ مَا غَنِمۡتُمۡ ۔ جو کچھ تم نے بطور غنیمت حاصل کیا۔

مَا كَسَبۡتُمۡ میں زکات واجب ہے اور مَا غَنِمۡتُمۡ میں خمس واجب ہے۔

اہم نوٹ: مومنین کرام ان دو الفاظ، ان کے معنی ان کے فرق اور ان کے حکم کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں، آگے چل کر یہ دونوں لفظ بار بار استعمال ہوں گے: مَا كَسَبۡتُمۡ ۔ جو کچھ تم کماتے ہو۔ مَا غَنِمۡتُمۡ ۔ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو۔ مَا كَسَبۡتُمۡ میں زکات واجب ہے اور مَا غَنِمۡتُمۡ میں خمس واجب ہے۔ جو چیز مَا غَنِمۡتُمۡ کے زمرے میں نہیں آتی اس پر خمس نہیں ہوتا۔

قرآن مجید اور احادیث آئمہ میں بار بار عقل وفکر سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے اور عقل وفکر سے کام نہ لینے والوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ ذرا عقل وشعور سے کام لے کر غور کریں اور دیکھیں کہ ایک انسان صبح سے لے کر شام تک کام کرتا ہے۔ اپنی محنت اور کام سے اسے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کا کچھ حصہ اپنی ضروریات پر خرچ کرتا ہے اور کچھ بچا کر رکھ لیتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کی ماہانہ کی آمدنی تیس ہزار روپے

ہے جس میں سے وہ پچیس ہزار روپے اپنی ضروریات پر خرچ کر دیتا ہے اور پانچ ہزار روپیہ ہنگامی اخراجات کے بچا لیتا ہے۔ اس حساب سے اس کی سالانہ بچت ساٹھ ہزار روپے ہوگئی۔ اس میں سے پنتالیس ہزار روپے عید اور خوشی غمی کے دوسرے مواقع کی ہنگامی ضروریات پر خرچ ہو جاتے ہیں اور سال کے آخر میں اس کے پاس پندرہ ہزار روپے بچ جاتے ہیں۔ اس کی محنت مزدوری کی کمائی کو یا اس میں سے بچ جانی والی پندرہ ہزار روپے کی اس بچت کو دنیا کی کونسی لغت میں مال غنیمت کہا جاسکتا ہے۔ اس کے خون پسینے کی کمائی سے بچ رہنے والی اس بچت کو غنیمت قرار دے کر اس پر خمس عائد کرنا ایسا عمل ہے جو قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کی طرز عمل اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے مذکورہ بالا ارشادات کے خلاف ہے۔

اب ایک اور مثال پر غور فرمائیں: ایک شخص نے بیس سال کی عمر میں کام کرنا شروع کیا۔ اب وہ ساٹھ سال کا ہوگیا۔ اس ساری مدت میں اس نے کوئی خمس ادا نہیں کیا۔ اب مولوی صاحبان کی باتوں سے، جو زیادہ تر جذباتی بلیک میلنگ ہوتی ہیں، متاثر ہو کر وہ خمس ادا کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ اپنی ملکیت میں موجود سوئی سے لے کر کار کوٹھی اور زمینوں تک، ہر چیز کی قیمت لگائے اور پھر اپنی بنیادی ترین ضروریات کو نکال کر باقی سب کا پانچواں حصہ بطور خمس ادا کرے اور وہ بھی مولوی کو دے۔ سوال یہ ہے کہ لغت کی کونسی کتاب اور کس عقلمند انسان کی عقل اس شخص کی عمر بھر کی کمائی کو مال غنیمت قرار دیتی ہے کہ اس میں سے بنیادی ترین ضروریات کو نکال کر باقی پر خمس عائد کیا جائے؟ اس شخص کی چالیس سال کی کمائی کو کس طرح مال غنیمت شمار کیا جاسکتا ہے؟ اس کا یہ مال ما کسبتم کے زمرے میں آتا ہے اور آیت کے مطابق اس پر زکات واجب ہے نہ کہ خمس۔

اس سلسلہ میں یہ روایت بھی قابل غور ہے:

سُئِلَ اَبُوْ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ رَجُلٍ يَأْخُذُ مِنْهُ هٰؤُلَاءِ زَكٰوةَ مَالِهٖ اَوْ خُمُسَ غَنِيْمَتِهٖ اَوْ خُمُسَ مَا يَخْرُجُ لَهٗ مِنَ الْمَعَادِنِ اَيُحْسَبُ ذَالِكَ لَهٗ فِيْ زَكٰوتِهٖ وَ خُمُسِهٖ؟ فَقَالَ: نَعَمْ۔

ترجمہ: امام ابوالحسن (امام موسیٰ کاظم) علیہ السلام سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس سے حکمران اس کے مال کی زکوٰۃ یا اس کی غنیمت اور معدنیات کا خمس وصول کر لیتے ہیں۔ کیا یہ اس کی زکوٰۃ اور خمس محسوب ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (فقیہ جلد 2 صفحہ 43 حدیث 1656)

اس حدیث سے بھی یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے کمائے ہوئے مال پر زکوٰۃ ہے

اور غنیمت اور معدنیات پر خمس ہے۔

ایک قابل غور نکتہ:

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مجتہدین اپنے رسالہ ہائے توضیح المسائل میں باب خمس کا آغاز ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ خمس سات چیزوں میں واجب ہے جب کہ معصومین کی احادیث میں ہے کہ خمس پانچ چیزوں میں ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کی مذکورہ بالا حدیث میں خمس فقط چار چیزوں میں ہے۔

یہ بات سو فیصد قطعی اور طے شدہ ہے اور اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ دین اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں مکمل ہو گیا۔ اس بات کا واضح اور دوٹوک اعلان خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح فرما دیا:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی

اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کر لیا۔ (مائدہ:3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں دین کے مکمل ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ جو احکامات اللہ تعالیٰ نے دینے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں دے دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی نیا حکم نہیں آ سکتا اور نہ ہی پہلے سے موجود کسی حکم کو منسوخ یا اس میں کوئی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ اگر خمس سات چیزوں میں واجب ہوتا تو یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آ چکا ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا واضح الفاظ میں اعلان کر چکے ہوتے اور اس حکم کو معاشرے میں نافذ بھی کر چکے ہوتے۔ اس لیے کہ یہی آپ کی ذمہ داری اور فریضہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

ترجمہ: رسول کی ذمہ داری اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے پیغام

اور اس کے حکم کو واضح طور پر لوگوں تک پہنچا دیں۔ (نور:58)

پس اگر خمس سات چیزوں پر واجب ہوتا تو لامحالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کو واضح طور پر لوگوں تک پہنچا چکے ہوتے اور اس کو عملی طور پر نافذ بھی کر چکے ہوتے۔ اس طرح زمانہ رسول میں ہی یہ بات واضح

وآشکار ہوجاتی کہ خمس سات چیزوں پر واجب ہے۔لیکن ہمیں شیعہ اور سنی دونوں کی کتب حدیث میں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ خمس سات چیزوں پر واجب ہے۔

مزید آگے چلتے ہیں۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں سات چیزوں پر خمس واجب ہونے کا حکم بیان ہوگیا ہوتا تو پھر امیر المومنین علیہ السلام کے لیے یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی کہ خمس چار چیزوں پر ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام کے یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی کہ خمس پانچ چیزوں میں ہے اور پھر ان میں سے ایک ابن ابی عمیر کو بھول گئی۔

معصومین کے ارشادات میں ایک بھی ایسی حدیث میری نظر سے نہیں گزری ہے جس میں کہا گیا ہو کہ خمس سات چیزوں میں واجب ہے۔ایک طالب علم کی حیثیت سے میری سب علماء ومجتہدین اور مراجع بزرگوار سے گزارش ہے کہ ایسی کوئی حدیث ان کی نظر سے گزری ہو تو ہمیں بھی اس سے مطلع کر دیں کہ کسی امام معصوم نے فرمایا ہو کہ خمس سات چیزوں پر ہے۔

☆☆☆

سوال: اگر غنیمت اس مال کو کہتے ہیں کہ جو بغیر محنت کے حاصل ہو تو غوطہ،خزانہ،معدنیات وغیرہ سب کو حاصل کرنے کے لیے محنت اور کام کرنا پڑتا ہے؟ پھر انہیں کس حساب میں مال غنیمت شمار کیا جاتا ہے؟

جواب: کمائی اور غنیمت میں فرق یہ ہے کہ کمائی آپ کے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ایک شخص روزانہ اجرت یا ماہانہ تنخواہ کی بنیاد پر کام کرتا ہے۔وہ روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرتا ہے اور اس کام کا طے شدہ معاوضہ لیتا ہے۔یا تجارت اور زراعت کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ اس کی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ایک کاشتکار اگر زمین کاشت کرے گا تو فصل اٹھائے گا،اگر کاشت نہیں کرے گا،گھر میں بیٹھا رہے گا تو اس کی زمین پر کوئی فصل نہیں اگے گی۔جب کہ معدنیات،غوطہ اور کنز میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔زمین اور پہاڑوں میں جہاں جہاں کوئی معدنیات پڑے ہیں یا سمندر کی تہہ میں جو موتی پڑے ہیں وہ کسی کے عمل اور محنت کا نتیجہ نہیں ہیں،وہ قدرتی طور پر وہاں پڑے ہوتے ہیں اور کوئی بھی شخص وہاں جا کر نکال سکتا ہے۔انسان جو محنت اور کوشش کرتا ہے ان تک پہنچنے کے لیے کرتا ہے،جب ان تک پہنچ جاتا ہے تو وہ اس کے لیے مال غنیمت ہوتا ہے۔اس کو ایک سادہ سی مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی دشمن کے ساتھ جنگ ہوئی۔دشمن پسپا ہوگیا اور بھاگتے

ہوئے کچھ مال واسباب چھوڑ گیا جس کی مسلمانوں کے لشکر کو خبر نہ ہوئی اور مسلمانوں کا لشکر اسے وہیں چھوڑ کر واپس آ گیا۔ واپس آنے کے بعد انہیں اطلاع ملتی ہے کہ دشمن مال غنیمت چھوڑ کر بھاگا ہے۔ اب کچھ لوگوں کی ذمہ داری لگائی جاتی ہے کہ گاڑیاں لیں اور میدان جنگ میں واپس جائیں اور دشمن کا چھوڑا ہوا مال غنیمت جمع کر کے لے آئیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ میدان جنگ سے یہ مال غنیمت لانے پر کچھ پیسہ بھی خرچ ہوگا اور کچھ کام اور محنت بھی، اس کے باوجود اس مال کو کمائی نہیں بلکہ مال غنیمت کہا جائے گا۔

دریا و سمندر سے نکلنے والے موتی، دیگر معدنیات سے حاصل ہونے والی دولت کی بھی بالکل یہی صورت حال ہوتی ہے کہ وہ وہاں پڑے ہوتے ہیں اور آپ نے جا کر وہاں سے اٹھا لینے ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی جگہ کوئلہ، تانبا یا کوئی اور قیمتی چیز نکلنے کی امید پر کھدائی شروع کی جاتی ہے اور اچھا خاصا سرمایہ اور محنت خرچ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کچھ نہیں تھا۔ یا تھوڑی سی محنت اور سرمایہ خرچ کرنے سے کروڑوں ڈالر مالیت کے ذخائر دریافت ہو جاتے ہیں۔ یہ ذخائر کسی کی محنت اور عمل کی وجہ سے وجود میں نہیں آتے، پہلے سے موجود ہوتے ہیں، محنت صرف ان تک پہنچنے کے لیے کرنی ہوتی ہے۔ جبکہ کمائی آپ کے عمل اور آپ کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے، اگر آپ محنت اور عمل نہیں کریں گے تو وہ دولت وجود میں ہی نہیں آئے گی۔

☆☆☆

سوال: کیا خمس سال بھر کے اخراجات نکالنے کے بعد باقی ماندہ مال پر واجب ہوتا ہے؟

امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے:

ان الخمس بعد المئونة

ترجمہ: خمس اخراجات کے بعد ہے۔ (فقیہ جلد 2 صفحہ 42 حدیث 1652)

عام طور پر فقہاء نے اس سے یہ مراد لیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اپنے اور اپنے خاندان کے سال بھر کے اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جائے اس پر خمس عائد ہوگا۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب خمس انسان کی محنت اور کوشش کی کمائی پر عائد ہوتا ہو۔ لیکن ہم مضبوط دلائل سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خمس کمائی پر ہے ہی نہیں۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ خزانہ، معدنیات اور سمندر سے موتی نکالنے کے بعد ان پر آنے والے اخراجات منہا کر کے ان کا خمس نکالا جائے گا۔ یعنی اگر آپ نے زمین یا پہاڑ کو کھودا اور اس میں

سے کوئی قیمتی چیز نکالی جس کی مالیت فرض کریں بارہ لاکھ روپے ہے اور اس پر آپ کے اخراجات دولاکھ روپے آئے ہیں تو یہ دولاکھ نکالنے کے بعد باقیماندہ دس لاکھ کا خمس ادا کرنا ہوگا جو کہ دولاکھ بنتا ہے۔

☆☆☆

سوال: ذمی سے خمس وصول کرنے کا حکم؟

جواب: خمس کے بارے میں ایک انتہائی عجیب وغریب اور عقل وشعور اور قرآن وسنت کے خلاف فتویٰ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ذمی کافر کسی مسلمان سے زمین خریدے تو اس زمین کا خمس ادا کرنا ذمی پر واجب ہے: آیت اللہ خمینی کے فتویٰ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

الارض التی اشتراھا الذمی من المسلم فانہ یجب علی الذمی خمسھا

ویؤخذ منہ قھراً ان لم یدفعہ بالاختیار

ترجمہ: وہ زمین جو ذمی مسلمان سے خریدے اس کا خمس ادا کر ذمی پر واجب ہے اور اگر وہ اپنے اختیار سے ادا نہ کرے تو زبردستی اس سے لیا جائے گا۔ (تحریر الوسیلہ جلد 1 صفحہ 310)

آیت اللہ بروجردی نے یہ مسئلہ اپنی توضیح المسائل میں مسئلہ نمبر 1838 میں بیان کیا ہے اور اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: کہ اس خمس کے ادا کرنے میں قصد قربت ضروری نہیں ہے۔

ذمی اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو مسلمان ریاست کا شہری ہو۔ اسے ذمی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت اسلامی ریاست، مسلمان حکومت اور مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اب ذرا تصور کریں کہ لاہور میں رہنے والا ایک مسیحی ایک سنی مسلمان سے دس مرلے کا پلاٹ خریدتا ہے۔ پلاٹ کی قیمت 5 لاکھ روپیہ مرلہ ہے۔ اس طرح اس پلاٹ کی قیمت ہوگئی 50 لاکھ روپے۔ اب یہ مسیحی اس زمین کی قیمت کا پانچواں حصہ یعنی 10 لاکھ روپیہ خمس ادا کرے گا۔ خود ادا نہیں کرے گا تو خمینی صاحب کے فتویٰ کے مطابق اس سے زبردستی لیا جائے گا۔ اس خمس کو ادا کرنے کے لیے قصد قربت کی نیت بھی ضروری نہیں جبکہ عبادات کے لیے قصد قربت ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا یہ خمس ادا کرنا عبادت نہیں ہے، اسے اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ملنا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ یہ خمس واجب تو ہے لیکن عبادت نہیں ہے اور اس کا اجر وثواب بھی کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں قرآن مجید اور رسول اللہ کی عملی سیرت کی روشنی میں خمس مال غنیمت پر واجب ہے خواہ

وہ میدان جنگ میں دشمن سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہو یا کوئی اور ایسا مال ہو جو بغیر محنت کے ہاتھ آ گیا۔ 50لاکھ روپے سے خریدا گیا پلاٹ کس حساب میں مال غنیمت شمار ہوتا ہے؟ عقل وشعور کی معراج ملاحظہ فرمایئے کہ ایک مسیحی نے 50لاکھ روپے میں ایک سنی مسلمان سے پلاٹ خریدا اور پھر مسیحی پر واجب ہے کہ وہ اس کا خمس جو دس لاکھ روپے بنتا ہے، شیعہ مجتہد کو دے۔

اس مسئلہ کے بارے روایات قرآن وعقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوں گی۔

☆☆☆

سوال: مال حلال جس میں مال حرام مخلوط ہو گیا ہو اس کے خمس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: اس مسئلہ کی کئی صورتیں قابل تصور ہیں:

1۔ کسی شخص کے مال میں حرام کی آمیزش ہو گئی، یعنی اس کے مال میں ایسا مال مخلوط ہو گیا جو اس کا شرعی حق نہیں ہے۔ اگر اسے معلوم ہو کہ حرام کی مقدار کتنی ہے اور اس کا اصل مالک کون ہے تو اس صورت میں واجب ہے کہ اس مال کو جو اس کا جائز شرعی حق نہیں ہے اس کے اصل مالک کو لوٹا دے۔ اگر مالک تک لوٹانا ممکن نہیں ہے تو اس کے ورثاء کو دیا جائے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ دے دیا جائے یا اس کی طرف سے کسی کار خیر میں صرف کر دیا جائے۔ اس صورت میں اس مال کا خمس ادا کرنے سے وہ اپنی ذمہ داری سے مبرا نہیں ہوسکتا۔

2۔ حرام کی مقدار اور مالک یا مالکان دونوں معلوم نہیں ہیں لیکن اسے یقین ہے کہ حرام کی مقدار اس کے کل مال کے پانچویں حصہ سے کم یا اس کے برابر ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کا پانچواں حصہ (یعنی خمس) نکال کر اس کی طرف سے فقراء ومساکین کو صدقہ دے کر یا کسی کار خیر میں صرف کر کے وہ بری الذمہ ہوسکتا ہے۔

3۔ اگر مال حرام کا مالک یا مالکان معلوم نہ ہوں لیکن یہ معلوم ہو کہ اس کے حلال میں مخلوط حرام کی مقدار پانچویں حصے سے زیادہ ہے، مثال کے طور پر چوتھا حصہ ہے، یا تہائی حصہ ہے، یا آدھا ہے یا اصل حلال کی آمدنی سے کئی گنا زیادہ ہے تو اس صورت میں پانچویں حصے یعنی خمس کی ادائیگی سے وہ بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے آج سے دس سال پہلے کسی اچھے سرکاری عہدے پر ملازمت شروع کی جہاں سے حرام کی آمدنی بھی بہت زیادہ آتی ہے۔ اس وقت اس کے اثاثوں کی مالیت 20لاکھ تھی۔ فرض کرتے ہیں گزشتہ دس سالوں میں اس کی کل تنخواہ اور جائز مراعات کی مجموعی رقم 80لاکھ روپیہ تھی جس میں سے اس نے ایک بڑا حصہ اپنی ضروریات پر

صرف بھی کیا۔لیکن آج اس کے اثاثوں کی مالیت 10 کروڑ روپیہ ہے۔یعنی اس کی اصل آمدنی اور کام شروع کرنے سے پہلی والی املاک کی کل مالیت کے مجموعے کا دس گنا۔اس صورت میں اس مال کا خمس یعنی پانچواں حصہ ادا کر کے اس کا باقی مال ہرگز پاک نہیں ہوگا۔ مال حرام کو خمس کے ذریعے پاک کرنے کی اس گنجائش نے کرپشن اور حرامخوری کا ایک بڑا دروازہ کھول دیا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی اصل آمدنی سے بیسیوں گنا زیادہ حرام کماتے ہیں اور پھر اس کا خمس ادا کر کے باقی کو حلال سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ سراسر شیطانی فریب کاری ہے۔

مال حلال جس میں حرام مخلوط ہو گیا ہو اس کے بارے میں روایتی فقہ کا ایک لطیفہ ملاحظہ فرمایئے:

زید ایک غیر سید شیعہ ہے۔اس نے سو فیصد حلال رقم سے زمین خریدی، پھر سو فیصد حلال رقم سے بیج خریدا اور زمین میں گندم کی فصل کاشت کی۔ پانی اور کھاد کے اخراجات اور کاشتکاروں کی مزدوری بھی سو فیصد حلال کی کمائی سے ادا کی۔آخرکار گندم کی فصل پک کر تیار ہو گئی۔اس گندم میں ایک دانہ بھی حرام کا نہیں ہے اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ اس کی زکات سادات پر اور امام علیہ السلام پر حرام ہے اس لیے کہ یہ ہاتھوں کا میل کچیل ہے۔ پھر اس گندم میں کہیں سے کچھ حرام گندم کی آمیزش ہو گئی اور اس طرح یہ مال ناپاک ہو گیا۔اب اس ناپاک مال کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا خمس نکال کر آدھا امام علیہ السلام کو اور آدھا سادات کو کھلا دو تو وہ ان کے لیے حلال ہے اور باقی ماندہ مال پاک۔یعنی جب یہ گندم سو فیصد پاک صاف تھی تو ہاتھوں کا میل کچیل تھی اور سادات کے لیے حرام تھی اور اب جبکہ اس میں حرام شامل ہو گیا ہے تو اس کا پانچواں حصہ سادات اور امام علیہ السلام کے لیے حلال ہو گیا۔ بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است۔

☆☆☆

سوال: خمس کے مصارف کیا ہیں؟

جواب: خمس کے بارے میں قرآنی آیت میں خمس کے مصارف واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

ترجمہ: اور جان لو کہ تم جو چیز بطور غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول کے لئے

اور رسول کے قرابتداروں کے لئے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔(انفال:41)

اس آیت کی روشنی میں خمس کے چھ مصارف ہیں:

1۔لِلّٰہِ یعنی اللہ کا حصہ جو توحید اور دین کی ترویج و تبلیغ پر صرف ہونا ہے۔

2۔ لِلرَّسُوْلِ یعنی رسول اللہ کا حصہ جو رسول اللہ کی رسالتی ذمہ داریوں اور ان کے ذاتی اور خاندانی ضروریات کی تکمیل پر صرف ہونا ہے۔

3۔لِذِی الْقُرْبیٰ یعنی رسول اللہ کے قرابتداروں کا حصہ

4۔یتیموں کا حصہ 5۔مساکین کا حصہ 6۔مسافروں کا حصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں سارا خمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دریافت فرماتے تھے اور اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے مذکورہ بالا مصارف پر صرف کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ منصب آئمہ معصومین کا تھا۔ پہلے تین حصوں کو فقہاء نے سہم امام کا نام دیا ہے جب کہ باقی تین حصوں کو سہم سادات کا نام دیا جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ان چھ مصارف میں سے تیسرا حصہ جو رسول اللہ کے قرابتداروں کا حصہ ہے اسے امام علیہ السلام سے مخصوص سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور رسول کا حصہ دین کی تبلیغ و ترویج، اپنی رسالتی ضروریات اور اپنی ذاتی اور گھریلو اخراجات پر بھی صرف کرتے تھے۔قرابتداروں کا حصہ اپنے ضرورتمند قریبی رشتہ داروں کی ضروریات پر صرف کرتے تھے۔ باقی تین حصے عام مسلمانوں کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی کفالت کے لیے صرف ہوتے تھے۔یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو سادات کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ سادات کے یتیم، مسکین اور مسافر ذی القربیٰ میں آجاتے ہیں۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد خمس کے تین حصے بنیں گے:

(1) سہم امام: اللہ اور رسول کا حصہ جو جانشین رسول کی حیثیت سے امام علیہ السلام کو ملے گا۔

(2) سہم سادات: یعنی ذی القربیٰ کا حصہ۔

(3) امت کے یتیم مسکین اور مسافر افراد کا حصہ۔

☆☆☆

سوال: زمانہ غیبت میں خمس اور سہم امام کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ اس مسئلہ کے بارے میں مجتہدین میں چودہ اقوال پائے جاتے ہیں کہ زمانہ غیبت میں خمس کا کیا کرنا ہے۔مجتہدین اس بات کا واضح الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں چودہ مختلف اقوال کا موجود ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس بارے میں معصومین علیہم السلام کی طرف سے کوئی واضح حکم اور ہدایت موجود نہیں ہے۔

شیخ یوسف بحرانی اپنی کتاب الحدائق الناضرہ فی احکام العترۃ الطاہرہ کی جلد 12 صفحہ 419 پر اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

المطلب الثالث فی حکم الخمس فی زمن الغیبۃ. وهذه المسئله من امهات المسائل و معضلات المشاکل وقد اضطربت فیها افهام الاعلام و زلت فیها اقدام الاقلام و دحضت فیها حجج الاقوام و اتسعت فیها دائرۃ النقض و الابرام والسبب فی ذالك كله اختلاف الاخبار و تصادم الآثار الواردۃ عن السادۃ الاطهار (صلوات الله وسلامه علیهم آناء اللیل و اطراف النهار)

ترجمہ: تیسرا مطلب زمانہ غیبت میں خمس کے حکم کے بارے میں ہے۔اور یہ مسئلہ اہم ترین مسائل اور پیچیدہ ترین مشکلات میں سے ہے،اس مسئلہ میں علمائے اعلام کی فہم ودانش مضطرب ہے اور قلم اور اہل قلم کے قدم پھسل گئے ہیں اور اس میں اہل علم کے دلائل مغلوب ہوگئے اور اختلاف وتضاد کا دائرہ وسیع ہوگیا۔اور ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں آئمہ معصومین علیہم السلام سے منقول احادیث میں اختلاف اور تصادم پایا جاتا ہے۔

اب آیئے ان چودہ اقوال پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔تفصیل کے خواہشمند افراد الحدائق الناضرہ کی طرف رجوع فرمائیں:

چودہ اقوال:

1۔خمس نکال کر الگ کرلیا جائے اور اپنی وفات کے وقت امانت کے طور پر کسی قابل اعتماد شخص کے سپرد کر کے وصیت کی جائے کہ اگر امام علیہ السلام کا ظہور اس کی زندگی میں ہوجائے تو ان کی خدمت میں پیش کردے،نہیں تو اسی طرح کسی کے سپرد کر کے وصیت کردے۔یہ سلسلہ جاری رہے یہاں تک کہ امام علیہ السلام کا ظہور ہوجائے اور

خمس ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

2۔ زمین میں دفن کر دیا جائے۔ اس لیے کہ احادیث میں ہے کہ جب امام علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو زمین اپنے خزانے ان کے سامنے پیش کر دے گی۔

3۔ زمانہ غیبت میں خمس ساقط ہے۔

4۔ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ انہیں دیا جائے اور سہم امام یا تو بطور امانت کسی وصی کے سپرد کر دیا جائے، جیسا کہ قول نمبر ایک میں ہے یا دفن کر دیا جائے جیسا کہ قول نمبر دو میں ہے۔

5۔ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ انہیں دیا جائے اور سہم امام کو محفوظ کر دیا جائے یہاں تک کہ ان تک پہنچا دیا جائے۔

6۔ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ انہیں دیا جائے اور سہم امام علیہ السلام بھی بنی ہاشم میں تقسیم کر دیا جائے۔

7۔ خمس کا نصف یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر صرف کر دیا جائے اور سہم امام، امام علیہ السلام تک پہنچانا ممکن ہو تو ان تک پہنچا دیا جائے ورنہ اسے بھی یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر صرف کر دیا جائے۔ اگر ان میں کوئی ضرورت مند نہ ہو تو یہ شیعہ کے لیے حلال ہے۔ (یعنی جس شیعہ پر اس کی ادائیگی واجب ہے وہ اسے اپنے استعمال میں لے آئے تو یہ اس کے لیے حلال ہے۔)

8۔ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ انہیں دیا جائے جبکہ امام علیہ السلام کا حصہ نکالنا ساقط ہے اس لیے کہ یہ شیعہ کے لیے حلال ہے۔ (یعنی جس شیعہ پر اس کی ادائیگی واجب ہے وہ اسے اپنے استعمال میں لے آئے تو یہ اس کے لیے حلال ہے۔)

9۔ یہ قول بھی گزشتہ قول کی طرح سے ہے اس فرق کے ساتھ کہ اس قول کے مطابق یہ شیعہ کے لیے حلال ہونے کی بجائے امام علیہ السلام کی معرفت رکھنے والے محبین امام پر صرف کیا جائے گا۔

10۔ خمس کا شیعہ کے لیے حلال ہونا صرف تجارتی منافع کے خمس میں ہے۔ (جبکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ تجارتی منافع پر خمس ہے ہی نہیں۔ اس لیے کہ تجارتی منافع مَا كَسَبْتُمْ کے زمرے میں آتا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس پر خمس واجب نہیں ہے۔)

11۔ کچھ بھی حلال نہیں ہے، سب کا خمس ادا کرنا واجب ہے۔

12۔خمس کا شیعہ کے لیے مباح ہونا اس حد تک ہے کہ خمس نکالنے سے پہلے اس مال میں تصرف کرسکتا ہے جس پر خمس واجب ہے۔

13۔خمس کا نصف یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر صرف کردیا جائے جبکہ امام علیہ السلام کا حصہ دفن کردیا جائے یا کسی کو امانت کے طور پر سپرد کردیا جائے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے یا زمانہ غیبت میں فقیہ کی اجازت سے یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کردیا جائے اگر وہ ضرورتمند ہوں۔

14۔خمس کا نصف یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر واجب یا مستحب طور پر صرف کردیا جائے اور امام علیہ السلام کا حصہ ان کے ظہور تک محفوظ کردیا جائے۔اگر یتیموں مسکینوں اور مسافروں میں سے کسی کا حصہ اس کی ضرورت سے کم ہو اور علماء ان کی ضرورت پر خرچ کردیں تو یہ بھی جائز ہے۔

شیخ یوسف بحرانی نے مذکورہ کتاب میں ان چودہ اقوال کے قائلین کے دلائل بھی بیان کیے ہیں اور ان پر بحث بھی کی ہے۔لیکن زمانہ غیبت میں سہم امام علیہ السلام مجتہدین کو دینے کے بارے میں لکھتے ہیں:

فانا لم نقف له علی دلیل وغایة ما یستفاد من الاخبار نیابته بالنسبة الی الترافع الیه والاخذ بحکمه و فتاواه واما دفع الاموال الیه فلم اقف له علیٰ دلیل لا عموما ولا خصوصا و قیاسه علی النواب الذین ینوبونهم (علیهم السلام) حال وجودهم لذالك اولما هو اعم منه لا دلیل علیه

ترجمہ:اس بات پر ہمیں کوئی دلیل نہیں ملتی کہ سہم امام فقہاء کو دیا جائے، نیابت آئمہ علیہ السلام کی احادیث سے زیادہ سے زیادہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اختلاف کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کے فیصلے اور فتویٰ کے مطابق عمل کیا جائے۔لیکن جہاں تک مال کو ان کے حوالے کرنے کا تعلق ہے تو اس پر ہم کسی عمومی یا خصوصی دلیل سے واقف نہیں ہیں اور اس مسئلہ کو آئمہ کی زندگی میں موجود ان کے نائبین پر قیاس کرنا ایک ایسی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (ایضاً470)

خمس مجتہد کو ادا کرنے کے حوالے سے لبنانی شیعہ مجتہد محمد جواد مغنیہ تحریر فرماتے ہیں:

المشهور علی وجوب الرجوع الی الحاکم ولکن هذا من المشهورات التی لا اصل لها ولا دلیل علیها من کتاب او سنة او عقل (فقہ الامام الصادق جلد2:128)

ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ سہم امام حاکم (یعنی مجتہد) کو ادا کرنا واجب ہے لیکن یہ ان مشہورات میں سے ہے جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور کتاب وسنت اور عقل سے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

بہر حال ان چودہ اقوال کی موجودگی بذات خود اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ زمانہ غیبت امام میں خمس کے بارے میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ اس سے یہ بات بھی خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ اس بات پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ خمس مرجع تقلید کو دیا جائے یا مرجع تقلید کی اجازت سے خرچ کیا جائے۔

لیکن بعد میں آنے والے مجتہدین نے اپنے مفادات اور مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات پر ایکا کرلیا ہے کہ سہم امام مرجع تقلید کو دیا جائے اور اس بے بنیاد جھوٹ کا اتنے اعتماد سے اور اتنے وسیع پیمانے پر پر چار شروع کر دیا کہ لوگ اسی کو سچ سمجھنے لگ گئے ہیں جب کہ یہ سچ نہیں ہے۔ پھر عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے لیے اس کے لیے حق زہراء (سلام اللہ علیہا) جیسی اصطلاح گھڑ لی۔ اگر یہ سچ ہوتا تو یہی مجتہدین اپنی تفصیلی استدلالی کتابوں میں اپنے درس خارج میں اس مسئلہ پر ان چودہ اقوال پر بحثیں نہ کر رہے ہوتے۔

بہر حال زمانہ غیبت میں خمس کے بارے میں یہ چودہ نظریات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس بارے میں معصومین علیہم السلام کی طرف سے کوئی واضح ہدایات موجود نہیں ہیں۔ جب کوئی واضح ہدایات موجود نہیں ہیں تو اس بات پر اصرار کرنا کہ زمانہ غیبت میں خمس مجتہد کو دیا جائے یا اس کی اجازت سے خرچ کیا جائے ایک لغو اور بیہودہ بات سے زیادہ کچھ نہیں۔

لیکن ٹھہریئے۔۔۔ اس مسئلہ کو ایک اور پہلو سے دیکھتے ہیں۔ معصومین علیہم السلام کی طرف سے ایک واضح ہدایت اور رہنما اصول موجود ہے کہ معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات اور مسائل کے بارے میں آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے جاری ہونے والے آخری حکم (Latest Instruction) پر عمل کیا جائے گا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

ارایتك لو حدثتك بحديث العام ثم جئتني من قابل فحدثتك بخلافه بايهما كنت تاخذ؟ قال قلت كنت آخذ بالاخير۔ فقال لي رحمك الله۔

(کافی: جلد اول، باب اختلاف الحدیث: حدیث:8)

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اگر تم ایک سال میرے پاس آؤ اور میں تم سے کوئی بات

کہوں، پھر تم اگلے سال آؤ اور میں اس کے خلاف کوئی بات کہوں تو تم کونسی بات پر عمل کرو گے؟ میں نے کہا: میں بعد والی بات پر عمل کروں گا۔اس پر آپ نے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے۔

معلی بن خنیس قال قلت لابی عبد الله علیه السلام اذا جاء حدیث عن اولکم وحدیث عن آخرکم بایهما ناخذ؟فقال خذوا به حتی یبلغکم عن الحی فان بلغکم عن الحی فخذوا به قال ثم قال ابو عبدالله علیه السلام انا والله لا ندخلکم الا فیما یسعکم وفی حدیث آخر: خذوا بالاحدث۔

ترجمہ: معلیٰ بن خنیس کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: جب ہمارے پاس آپ میں سے کسی پہلے امام کی کوئی حدیث آئے اور ایک حدیث بعد والے امام کی طرف سے آئے تو ہم کس پر عمل کریں؟ آپ نے فرمایا: تم ہماری احادیث کو لے لیا کرو یہاں تک کہ زندہ کی طرف سے کوئی حدیث تم تک پہنچ جائے۔ پھر اگر زندہ کی طرف سے کوئی حدیث تمہارے پاس پہنچ جائے تو اس پر عمل کیا کرو۔ معلیٰ بن خنیس کہتے ہیں کہ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم تمہیں انہی چیزوں میں داخل کرتے ہیں جن میں تمہارے لیے وسعت ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ سب سے نئی (Latest) حدیث کو لیا کرو۔

(کافی: جلد اول، باب اختلاف الحدیث: حدیث: 9)

اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ خمس کو دیکھتے ہیں۔ حضرت حجت حضرت امام زمانہ علیہ السلام نے ایک توقیع مبارک میں 17 سوالوں کے جواب ارشاد فرمائے۔ ان میں ایک سوال خمس کے بارے میں تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اما الخمس فقد ابیح لشیعتنا فهم فی حل منه الی وقت ظهورنا لتطیب ولادتهم۔۔۔

ترجمہ: خمس ہمارے شیعوں کے لیے حلال ہے اور ہم نے اپنے ظہور تک اسے ان کے لیے حلال کر دیا ہے تاکہ ان کی ولادتیں پاکیزہ ہوں۔

حضرت حجت علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد کسی امام معصوم کی زبان مبارک سے خمس کے بارے میں کوئی حکم صادر نہیں ہوا۔ یہ خمس کے بارے میں زندہ امام معصوم کا آخری فرمان ہے۔اس سے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں باقی نہیں رہتا کہ زمانہ غیبت میں خمس کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔

شیخ یوسف بحرانی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

فانه صحیح صریح فی التحلیل

ترجمہ: یہ روایت صحیح ہے اور تحلیل کو صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے۔(ایضاً469)

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے مذکورہ بالا فرمان کی ایک تشریح یہ ہے کہ زمانہ غیبت میں سارے خمس کی ادائیگی معاف ہے اس لیے کہ اس فرمان میں لفظ خمس استعمال ہوا ہے۔ اس کے برعکس ایک اور تشریح یہ ہے کہ یہ حکم سہم امام علیہ السلام کی ادائیگی کے بارے میں ہے۔ ہماری نظر میں دوسری تشریح درست ہے اس لیے کہ ہر صاحب حق اپنا حق معاف کرسکتا ہے کسی دوسرے کا حق معاف کرنے کا اسے اختیار نہیں ہوتا۔ امام علیہ السلام نے اگر اپنا حق معاف کیا ہے تو یہ ان کا فضل و احسان ہے اور ان کی شانِ کریمی ہے لیکن کسی اور کا حق معاف کر کے اسے اس کے حق سے محروم کر دینا امام علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس فرمان امام کی روشنی میں زمانہ غیبت میں سہم امام معاف ہے، ضرورتمند سادات، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ ادا کرنا ممکن ہو تو اس کو ادا کرنا واجب ہے۔

یہاں یہ نکتہ قابل تشریح ہے کہ اس حدیث میں شیعہ سے مراد کون سے شیعہ ہیں جن کے لیے امام زمانہ علیہ السلام نے خمس حلال کر دیا ہے؟ ظاہری بات ہے کہ مستحق شیعوں کے لیے تو خمس ہمیشہ حلال تھا، یہاں شیعہ سے مراد وہ شیعہ ہیں جن کے ذمہ خمس واجب ہے۔ اور اس کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خمس کی ادائیگی ان پر واجب نہیں ہے، وہ خمس کو اپنے ذاتی استعمال میں لے آئیں یا کسی اور جائز کام پر صرف کر لیں تو یہ ان کے لیے حلال ہے۔

اس تشریح کا واضح ثبوت وہ حکمت ہے جو امام علیہ السلام نے خود اس ارشاد میں بیان فرمائی ہے کہ ان کی ولادتیں پاک ہوں۔ اگر کسی کے ذمہ کسی کا حق ہے اور وہ اس حق کو ادا نہیں کرتا تو حرام کھا رہا ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی حرام کھلا رہا ہے، اس کا خون حرام سے بن رہا ہے اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ بھی ناپاک ہو گی۔ اگر کسی پر خمس واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو اس کا کھانا پینا حرام ہوگا، اس کھانے پینے کے نتیجہ میں بننے والا خون حرام ہوگا اور اس خون سے پیدا ہونے والی اولاد ناپاک ہوگی۔ امام علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہم نے اپنا حق تمہیں حلال کر دیا تا کہ تم حرام خوری سے بچ جاؤ، تمہارا کھانا پینا پاک اور حلال ہو، تمہارا خون پاک اور حلال ہو اور

اس سے پیدا ہونے والی اولاد پاک ہو۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس فرمان میں شیعہ سے مراد وہ شیعہ ہیں جن کے ذمہ خمس ہے، امام علیہ السلام نے ان کو سہم امام کی ادائیگی معاف کردی ہے اور اپنا حصہ ان کے لیے حلال کردیا ہے۔اس کے بعد اگر کوئی سہم امام کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ سہم امام ہمیں دو تو امام زمانہ علیہ السلام کے اس واضح فرمان کی مخالفت کرتا ہے۔

امام علیہ السلام کے اس ارشاد سے یہ بات بھی بہت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام علیہ السلام کی نظر میں شیعہ کی ولادت کا پاک ہونا کس قدر اہم ہے کہ وہ اس کے لیے اپنا حق معاف فرمارہے ہیں۔امام علیہ السلام کے شیعوں کو خود بھی یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ خود اس بارے میں کس قدر اہتمام کررہے ہیں۔امام علیہ السلام نے اپنا حق شیعوں کو معاف کردیا تاکہ ان کی آنے والی نسلوں کی ولادت پاک ہو،لیکن اگر وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق غصب کریں، زکوۃ کی ادائیگی نہ کریں، ماں باپ کی میراث سے بہنوں کا حصہ ہڑپ کرجائیں، رشوت اور حرام خوری کے دوسرے راستوں سے حرام کماکر اپنی اولاد،یعنی امام کے شیعہ کی ولادت کو ناپاک کردیں تو امام علیہ السلام کو کیا جواب دیں گے؟

امام علیہ السلام کی طرف سے سہم امام کی ادائیگی شیعہ عوام کو معاف ہوجانے کے باوجود سہم امام کی ادائیگی کو واجب کہہ کر لوگوں سے سہم امام وصول کرنے والے اور اسے اپنے اللوں تللوں پر اڑانے والے اور اپنے عزیزوں اور چیلوں کو نوازنے والے اور زکوٰۃ کا خاتمہ کرنے والے مجتہدین اور ان کے کارندے بھی اپنا جواب تیار رکھیں۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت حجت علیہ السلام کی اس توقیع مبارک کا ایک جملہ ہمارے مجتہدین بہت زور شور سے عوام کو سناتے ہیں:

اما الحوادث الواقعه فارجعوا فيها الى رواة احاديثنا

ترجمہ: نئے پیش آنے والے واقعات ومسائل میں ہمارے احادیث کے علماء کی طرف رجوع کیا کرو۔

لیکن خمس کے بارے میں امام علیہ السلام کا یہ ارشاد کبھی اپنی زبان پر نہیں لاتے۔یعنی جو حصہ ان کے مفادات کے ساتھ ہم آہنگ ہے کہ لوگ ان کی تقلید کریں اس کو تو بہت زور وشور سے بیان کرتے ہیں اور جو حصہ ان کے مفادات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے اس کا ذکر نہیں کرتے۔اسی سے ہمارے روایتی نظام اجتہاد ومرجعیت اور

مجتہدین ومراجع کی عدالت وایمانداری واضح ہوجاتی ہے۔

خمس کے بارے میں ایک اور بدعت:

پہلے صرف سہم امام کے لیے کہا جاتا تھا کہ مجتہد کو دیا جائے یا اس کی اجازت سے خرچ کیا جائے۔ اب یہ خودساختہ اور سراسر جعلی حکم سہم سادات پر بھی لاگو کر دیا گیا ہے۔ یعنی اگر آپ سید ہیں اور آپ کے پاس ایسا مال ہے جس کا خمس ادا کرنا واجب ہے اور آپ کا سگا بھائی ضرورتمند اور محتاج ہے تو آپ اپنے طور پر سہم سادات سے اس کی مدد نہیں کر سکتے بلکہ قم یا نجف کے کسی مجتہد سے اجازت لے کر اپنے بھائی کو خمس دے سکتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ ہر بار آپ کو الگ اجازت لینی پڑے گی۔ یعنی اگر آج آپ کے بھائی کو علاج کے لیے رقم چاہیے تو آپ مجتہد یا اس کے نمائندے سے اجازت لیں۔ کل اس کے بچے کی فیس ادا کرنی ہے تو اس کے لیے الگ اجازت لیں، پرسوں کسی اور کو کوئی اور ضرورت پیش آ گئی تو آپ پھر سے اجازت لیں۔ بار بار کی اجازت کا ڈھونگ رچانے کے پس پردہ اصل مقصد یہ ہے کہ جب آپ اجازت لینے جاتے ہیں تو آپ کو آسانی سے اجازت نہیں ملتی، سوالات اور تفتیش کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں وہ مختلف طریقوں سے تنگ کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ بالآخر آپ تنگ آ کر سہم امام کے ساتھ ساتھ سہم سادات بھی خود ان کے حوالے کر دیں تا کہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ خمس ٹھیک جگہ پر خرچ ہو رہا ہے۔ حالانکہ جس مجتہد سے آپ اجازت لینے جاتے ہیں اس کی اپنی حالت یہ ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے اپنے دفتر میں خمس کی رقم میں کیا کرپشن اور گھپلے ہو رہے ہیں اور اگر معلوم ہے بھی تو وہ انہیں روک نہیں سکتا۔ دنیا بھر میں ان کے نمائندے خمس میں جو کرپشن کر رہے ہیں وہ ایک الگ داستان درد ہے۔ ایک داستان ملاحظہ فرمائیے:

خمس کے نام پر لوٹ مار اور کرپشن کی ایک دردناک کہانی:

لاہور کی ایک خاتون نے مجھ سے رابطہ کیا اور بتایا کہ ان کے شوہر سرکاری ملازم تھے۔ تنخواہ بہت زیادہ تو نہیں لیکن کافی معقول تھی اور عزت اور سفید پوشی کے ساتھ گزر بسر ہو جاتی تھی۔ پھر شوہر ریٹائر ہو گئے اور گھر کی ساری ضروریات پنشن پر آ گئیں۔ پھر ایک مولوی صاحب نے خمس کے بارے میں انہیں ڈرا دیا اور وہ خمس کی ادائیگی پر آمادہ ہو گئے۔ ان ہی مولوی صاحب نے ان کا حساب کیا اور ان کے ذمے پانچ لاکھ خمس بنا دیا۔ یہ خمس ادا کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ میں اس سلسلہ میں آپ کی یہ مدد کر سکتا ہوں

کہ آپ کو پانچ لاکھ روپیہ قرض دے دوں، اس سے آپ اپنا خمس ادا کر دیں بعد میں میرا قرض تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرتے رہیں۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مولوی کسی عام آدمی کو جس سے اس کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے، پانچ لاکھ کا قرض دے!! چنانچہ مولوی صاحب نے میرے شوہر کو پانچ لاکھ روپے کا ایک چیک دیا اور کہا کہ یہ چیک بطور قرض مجھ سے لے کر اپنے خمس کے طور پر مجھے دے دیں، آپ کا خمس ادا ہو جائے گا۔ میرے شوہر نے وہ چیک بطور قرض مولوی صاحب سے لے کر اسی وقت خمس کے طور پر ان ہی مولوی صاحب کو دے دیا اور اس طرح میرے شوہر کا خمس ادا ہو گیا اور میرے شوہر مولوی صاحب کے پانچ لاکھ کے مقروض ہو گئے۔ کافی عرصہ تک کبھی ماہانہ اور کبھی دو ماہ بعد مولوی صاحب کو قرض کی ادائیگی کی مد میں رقم دیتے رہے اور اس طرح ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ کی رقم مولوی صاحب کو ادا کر دی۔ پھر وہ بیمار ہو گئے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب مولوی صاحب کی طرف سے قرض کی باقی ماندہ رقم کی ادائیگی کا مطالبہ ہوتا رہتا ہے اور میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ انہیں کوئی ادائیگی کروں۔ خاتون نے یہ مسئلہ بیان کر کے مجھ سے رہنمائی طلب کی۔ میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب نے آپ کے شوہر کو بیوقوف بنا کر لوٹا ہے۔ آپ مولوی صاحب کو مزید ادائیگی سے صاف صاف انکار کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ جو رقم آپ اب تک لے چکے ہیں قیامت کے دن اس کا بھی آپ کو حساب دینا ہوگا۔ اگر مولوی صاحب پھر بھی اصرار کریں تو کہیں کہ میں ایف آئی اے میں درخواست دینے جا رہی ہوں۔ بعد میں خاتون نے بتایا کہ یہ ترکیب کارگر ہوئی اور مولوی صاحب سے جان چھوٹ گئی ہے۔

☆☆☆

آئمہ معصومین کو یتیم کہنے والی یتیم حدیث:

بعض علماء خمس کے بارے میں یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں:

عن أبي بصير قال: قلت لأبي جعفر عليه السَّلام : اصلحك الله ،ما أيسر ما يدخل به العبد النار؟ قال عليه السَّلام .: من أكل من مال اليتيم درهماً و نحن اليتيم.

ترجمہ: ابوبصیر سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا: اللہ آپ کی اصلاح فرمائے وہ آسان ترین چیز کیا ہے جس کی وجہ سے بندہ جہنم میں داخل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جس نے یتیم کے مال سے ایک درہم بھی کھایا وہ جہنمی ہے اور ہم یتیم ہیں۔ (فقیہ جلد 2 صفحہ 41، حدیث 1650)

یعنی امام علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہم یتیم ہیں اور جو ہمارے مال یعنی خمس میں سے ایک درہم بھی کھائے گا وہ یتیم کا مال کھانے کی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔

جواب: جعلی احادیث گھڑنے والوں نے آئمہ معصومین پر کیسے عجیب وغریب ظلم کیے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ خمس کے چھ مصارف ہیں جن میں سے ایک مصرف یتیموں کی کفالت ہے۔ کیا آئمہ معصومین علیہم السلام یتیموں کے زمرے میں آتے ہیں اور انہیں یتیموں کے حصے میں سے ملتا تھا یا انہیں امام کی حیثیت سے اور جانشین رسول کی حیثیت سے اللہ اور رسول کا حصہ ملتا تھا؟ کس قدر عجیب تضاد ہے کہ ایک طرف آئمہ معصومین علیہم السلام کا ذکر کرتے وقت ہم انہیں مولائے کائنات اور امیر کائنات جیسے القاب سے پکارتے ہیں اور دوسری طرف اس قسم کی یتیم اور بے پدرو مادر روایات لے آتے ہیں کہ آئمہ بیچارے یتیم ہیں جو اپنی گزر بسر کے لیے لوگوں کے خمس میں سے یتیموں کے حصے کے محتاج ہیں۔ اس قسم کی احادیث یقینی طور پر جعلی اور جھوٹی ہیں چاہے ان کی سند کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو۔

امام کو یتیم کہنے والی اس یتیم اور بے پدرو مادر روایت کے مقابلے میں اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن بکیر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول انی لآخذ من احد کم الدرھم وانی لمن اکثر اھل المدینۃ مالا، ما ارید بذالك الا ان تطھروا

ترجمہ: عبداللہ بن بکیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی سے درہم قبول کرتا ہوں حالانکہ میں اہل مدینہ کے مالدار ترین افراد میں سے ہوں، میں ایسا صرف اس لیے کرتا ہوں تا کہ تم لوگ پاک ہو جاؤ۔ (کافی جلد 1، صفحہ 538، باب صلۃ الامام حدیث 7)

اس حدیث میں لوگوں کے پاک ہو جانے کا ذکر اسی مفہوم میں جو اس آیت میں بیان ہوا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا

ترجمہ: اے رسول! ان کے اموال سے صدقہ وصول کیا کریں، اس طرح آپ

ان کو پاک کر دیں گے اور ان کا تزکیہ نفس کر دیں گے۔ (توبہ: 103)

بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک اور فرمان میں فرماتے ہیں:

من زعم ان الامام یحتاج الیٰ ما فی ایدی الناس فھو کافر انما الناس یحتاجون ان

يقبل منهم الامام قال الله عز وجل: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا

ترجمہ: جو کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ امام لوگوں کے ہاتھوں میں موجود مال کا محتاج ہے وہ کافر ہے، حقیقت یہ ہے کہ لوگ اس بات کے محتاج ہیں کہ امام ان کے مال کو قبول فرمائیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے رسول! ان کے اموال سے صدقہ وصول کیا کریں، اس طرح آپ ان کو پاک کردیں گے اور ان کا تزکیہ نفس کردیں گے۔

(کافی جلد 1 صفحہ 537، باب صلۃ الامام حدیث 1)

اسی بارے میں امام عصر علیہ السلام کے اس ارشاد کو بھی دیکھتے چلیں:

واما اموالكم فلا نقبلها الا لتطهروا فمن شاء فليصل

ومن شاء فليقطع فما آتانا الله خير مما آتاكم

ترجمہ: اور جہاں تک تمہارے اموال کا تعلق ہے تو ہم انہیں صرف اس لیے قبول کرتے ہیں کہ تم پاک ہو جاؤ، پس جو چاہے ہمیں بھیجنا جاری رکھے اور جو چاہے منقطع کردے، جو کچھ اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔

قارئین محترم! امام عصر علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی اسی توقیع مبارک میں ہے جس میں آپ نے خمس کی ادائیگی کو اپنے ظہور تک معاف فرما دیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام عصر علیہ السلام کے ان ارشادات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام ہمارے اموال کے محتاج اور ضرورتمند یتیم نہیں تھے۔ جبکہ ابو بصیر سے مروی زیر بحث روایت یہ کہہ رہی ہے کہ آئمہ بیچارے یتیم تھے اور خمس میں سے یتیم کا حصہ ان کا حصہ تھا اور جو ان کا حصہ ادا نہیں کرتا وہ یتیم کا مال کھاتا ہے اور یتیم کا مال کھانے کی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔ ہم سو فیصد یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث امام علیہ السلام نے ابو بصیر سے نہیں فرمائی ہے بلکہ کسی جھوٹے کذاب نے گھڑ کر ابو بصیر کے نام سے امام علیہ السلام کی طرف منسوب کردی۔

مومنین کو ڈرانے دھمکانے کے لیے یہ حدیث بھی سنائی جاتی ہے کہ خراسان کے کچھ تاجر امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمیں نقصان ہو گیا ہے آپ ہمارا خمس معاف فرما دیں۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: میں معاف نہیں کروں گا۔

یہ روایت دو وجوہات سے قابل قبول نہیں ہے۔ایک یہ کہ اس روایت کے مطابق خمس تجارتی منافع پر تھا اور انہوں نے نقصان کا بہانہ بنایا۔جب کہ ہم گزشتہ سطور میں ثابت کر چکے ہیں کہ خمس فقط غنائم میں ہے، مکاسب یعنی کمائی میں نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ کہ یہ مومن حضرات اپنے نقصان کی شکایت کر رہے ہیں اور امام علیہ السلام معاف کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔مومنین کرام ذرا غور فرمائیں کہ کیا یہ جواب آئمہ معصومین علیہم السلام کی شانِ کریمی کے ساتھ ذرا بھی مناسبت رکھتا ہے؟اس سوال کا جواب اس واقعہ سے مل جاتا ہے:

ابراہیم بن ہاشم روایت کرتے ہیں کہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ صالح بن محمد بن سہل بھی آ گئے جو آپ کی طرف سے قم میں ایک وقف کے متولی تھے۔انہوں نے امام علیہ السلام سے کہا: مولا میرے پاس آپ کے حق کے دس ہزار درہم تھے جو میں نے خرچ کر لیے، آپ مجھے حلال فرما دیں۔آپ نے فرمایا: تیرے لیے حلال ہیں۔پھر جب وہ چلا گیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: کسی کو آل محمد کے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا کوئی حق ملتا ہے اور وہ اسے اپنے اوپر خرچ کر لیتا ہے اور پھر میرے پاس آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ میں اسے حلال کر دوں۔تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کہوں گا کہ میں حلال نہیں کرتا۔لیکن قیامت کے دن اللہ ان سے اس بارے میں سخت پوچھ گچھ کرے گا۔ (حدائق جلد 12 صفحہ 427)

یہ روایت اس بات کو واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر کوئی شیعہ امام علیہ السلام سے اس قسم کی درخواست کرتا تھا تو امام علیہ السلام اپنی شان کریمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بخش دیتے تھے اور یہ نہیں کہتے تھے کہ میں معاف نہیں کرتا ہوں۔

☆☆☆

آیت خمس کا غلط ترجمہ:

بعض علماء آیتِ خمس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اور جان لو کہ جس چیز سے تم کوئی فائدہ حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے۔۔۔

یعنی مَا غَنِمۡتُمۡ مِنۡ شَیۡءٍ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ جس چیز سے تم کوئی فائدہ حاصل کرو۔۔۔

جواب: یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔اگر یہ ترجمہ درست مان لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خمس کس چیز پر ہے؟اس چیز پر جس سے فائدہ حاصل کیا گیا ہے یا اس فائدے پر جو حاصل کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر آپ نے

ایک لاکھ روپے سے تجارت کی ۔اس سے آپ کو چالیس ہزار کا فائدہ ہوا۔اب آپ کے پاس دو چیزیں ہیں: (1)ایک لاکھ روپیہ جس سے آپ نے تجارت کی (2)چالیس ہزار روپیہ فائدہ جو آپ نے حاصل کیا۔اگرخمس اس چیز پر ہے جس سے فائدہ حاصل کیا گیا ہے تو ایک لاکھ کا خمس ادا کرنا ہوگا جو کہ بیس ہزار بنتا ہے اور اگر فائدے پر ہو تو چالیس ہزار کا خمس ادا کرنا ہوگا جو کہ آٹھ ہزار بنتا ہے۔جب کہ یہ ترجمہ کرنے والوں کے ہاں ان دونوں پر خمس نہیں ہے۔یعنی نہ وہ ایک لاکھ پر خمس لگاتے ہیں جس سے فائدہ حاصل کیا گیا ہے اور نہ چالیس ہزار پر جو کہ حاصل شدہ فائدہ ہے۔بلکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر حاصل شدہ فائدہ سے سال کے آخر پر کچھ بچ جائے تو اس پر خمس واجب ہے اور واضح سی بات ہے کہ ان کا یہ فتویٰ ان کے اس ترجمہ کے مطابق بھی نہیں ہے۔یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے، صحیح ترجمہ وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں:

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جان لو کہ جو چیز بھی تم بطور غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے۔۔۔۔

☆☆☆

سوال: خمس کے بارے میں ایک اور روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ سماعہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خمس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا:

فی کلّ ما أفاد الناس من قلیل أو کثیر۔

ترجمہ: جو فائدہ لوگوں کو حاصل ہو خواہ کم ہو یا زیادہ اس میں خمس واجب ہے۔

(وسائل الشیعہ جلد9(30 جلدی)صفحہ 503)

جواب: ہم کتاب کے آغاز میں قرآنی آیت اور وہ صریح اور واضح احادیث بیان کر چکے ہیں جن کے مطابق خمس صرف غنائم میں ہے۔نیز ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کی عملی سیرت کا نمونہ موجود ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے دور حکومت میں مسلم ریاست کے شہریوں کی آمدنی اور بچت سے خمس وصول نہیں کیا تھا۔لہٰذا اس روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

بالفرض اس روایت کو قبول کر لیا جائے تو پھر عورت کے مہر پر، کسی بھی قسم کے تحفہ اور ہبہ پر اور میراث پر بھی خمس واجب ہونا چاہیے اس لیے کہ ہر قسم کے فائدے میں یہ سب چیزیں بھی آ جاتی ہیں جبکہ اس روایت کو پیش

کرنے والے خود بھی ان چیزوں پر خمس کے قائل نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس روایت میں کہا جا رہا ہے کہ فائدہ خواہ کم ہو یا زیادہ، اس پر خمس ہے، جب کہ مال غنیمت، کنز، اور معدنیات کے خمس کے بارے میں سب فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر اس کی مقدار 20 دینار (ساڑھے سات تولے سونے یعنی زکوٰۃ کے نصاب کے برابر) ہو تو اس پر خمس ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر خمس نہیں ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ساڑھے سات تولے سونا کم نہیں ہوتا۔ جب کہ اس روایت میں کسی مقدار کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ فائدہ کم ہو یا زیادہ اس کا خمس واجب ہے۔

ہم پہلے بھی اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ بہت سے فقہی مسائل میں کئی متضاد اور مختلف احادیث پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی طہارت اور نجاست کے بارے میں دو قسم کی احادیث موجود ہیں: ایک وہ جو انہیں پاک کہتی ہیں اور ایک وہ جو انہیں نجس کہتی ہیں۔ اب ان دونوں قسم کی احادیث کو تو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ میں اہل کتاب کو پاک بھی مانتا ہوں اور نجس بھی مانتا ہوں اس لیے کہ دونوں باتیں احادیث میں موجود ہیں۔ اب اگر آپ طہارت والی روایات کو قبول کریں گے تو نجاست والی روایات کو ضرور چھوڑنا پڑے گا اور اگر ان کی نجاست کے قائل ہوں گے تو طہارت والی روایات کو ترک کرنا پڑے گا۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر مجتہد اپنی تحقیق کے مطابق کچھ روایات کو قبول کرتا ہے اور ان روایات کے خلاف اور ان سے تضاد رکھنے والی روایات کو ترک کرتا ہے۔ ہماری نظر میں خمس کو صرف غنائم میں مخصوص کرنے والی روایات قرآن مجید کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے مطابق ہونے کی وجہ سے قابل قبول ہیں۔ دوسری روایات ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ بالکل جس طرح سات چیزوں میں خمس کو واجب سمجھنے والے فقہاء ان روایات کو ترک کر دیتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ خمس صرف غنائم پر ہے۔ لہٰذا اگر اس قسم کی روایات کو ترک کرنے کی وجہ سے ہم سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے تو جن روایات سے ہم نے استدلال کیا ہے ان کو ترک کرنے والے مجتہدین سے بھی ایسا ہی سوال ہونا چاہیے۔ بلکہ ہماری عاجزانہ تجویز یہی ہے کہ ہماری یہ تحریر پڑھنے کے بعد علم و تحقیق کا ذوق رکھنے والے مومنین کرام دوسرے نظریے کے علماء کے دلائل کا بھی مطالعہ کریں اور پھر عقل سلیم کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ انہیں کون سا نظریہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ فکر و شعور کی منزل بلند ہو اور اندھی تقلید کے خاتمہ کی طرف ایک اور قدم اٹھ سکے۔

☆☆☆

سوال: کچھ دوستوں نے مل کر ایک خمس فنڈ بنالیا ہے تا کہ خمس کی رقم کو زیادہ صحیح اور منظم طور پر استعمال کیا جاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک مستحق سید کسی ایک شخص کے پاس چلا گیا اور اس سے سہم سادات لے لیا۔ پھر کسی اور کے پاس چلا گیا اور اس سے بھی امداد لے لی، اس طرح ایک شخص کئی کئی لوگوں سے سہم سادات لے رہا ہے اور کئی ضرورتمند محروم رہ جاتے ہیں۔ کیا اس قسم کا خمس فنڈ بنالینا صحیح ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو یہ بات واضح رہے کہ خمس آمدنی اور بچت پر نہیں بلکہ غنیمت پر ہے۔ خمس زکوٰۃ اور ایسے ہی دیگر اموال کا فنڈ بنا کر منظم طریقے سے استعمال میں لانا بالکل صحیح ہے بلکہ بہتر ہے۔ قرآن مجید کا یہ اصول ہر جگہ یاد رکھیے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً

ترجمہ: اللہ نے موت وحیات کا سلسلہ پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے

کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون سب سے بہتر ہے۔ (ملک:2)

اس آیت کی رو سے ہم پر واجب ہے کہ ہم ہر عمل کو انجام دیتے وقت بہتر سے بہتر کو پیش نظر رکھیں۔ اگر کوئی کام کرنے کی مختلف صورتیں ہمارے سامنے ہوں اور ان میں سے کسی خاص صورت کو شریعت میں معین نہ کیا گیا ہو تو ہمیں ان میں سے بہترین صورت کو اختیار کرنا ہوگا۔ اس اصول کو اصولِ عملِ احسن کہا جاسکتا ہے۔

اس اصول کی رو سے خمس وزکات کی رقوم استعمال کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ خمس و زکات کی رقوم کے ضیاع کو حتی الامکان روکا جائے تا کہ معاشرے کو اس سے زیادہ زیادہ فائدے حاصل ہوں۔ ظاہر سی بات ہے کہ منظم اجتماعی عمل کا فائدہ غیر منظم انفرادی عمل کے فائدے سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مستحقین خمس وزکوٰۃ میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ جو شخص فنڈ کے انچارج کا واقف ہے یا کسی خاص گروہ اور تنظیم سے وابستہ ہوا سے تو بہت کچھ مل جائے اور جس شخص کی کوئی واقفیت نہیں ہے اور اسے خمس دینے سے کوئی سیاسی فائدہ بھی حاصل نہیں ہو رہا ہو اسے محروم رکھا جائے۔ اس فنڈ کو ہر قسم کی سیاسی، گروہی اور تنظیمی وابستگی سے بالاتر ہو کر کام کرنا ہوگا۔ ایک بھی ضرورت منداس قسم کی سیاسی، گروہی اور تنظیمی سیاست کا شکار ہو کر محروم ہو گیا تو اس کی گرفت بہت سخت ہوگی۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے جو لوگ جگہ جگہ سے سہم سادات وصول کر کے اپنی ضرورت سے

بھی زیادہ مال حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنی جائز ضرورت سے زائد جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ ان کے لیے حرام ہے۔

☆☆☆

سوال: میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ کچھ مسائل کی وجہ سے میری تنخواہ میں ہونے والا سالانہ اضافہ روک دیا گیا تھا۔ کئی سالوں کے بعد وہ مسائل حل ہو گئے اور میرے سارے اضافہ جات (Arrears) ایک ساتھ مجھے ادا کر دیئے گئے جو کہ ایک اچھی خاصی رقم بنتی ہے۔ کیا اس رقم کا خمس ادا کرنا واجب ہے؟

جواب: یہ رقم آپ کی تنخواہ کا حصہ ہے اور آپ کی تنخواہ آپ کے عمل کا معاوضہ ہے۔ یہ رقم **ما کسبتم** کے زمرے میں آتی ہے، یعنی آپ کی کمائی ہے، **ما غنمتم** کے زمرے میں نہیں آتی۔ اس لیے اس پر خمس نہیں ہے۔ اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے ان شرائط کے ساتھ جو مسائل زکوٰۃ میں ہم بیان کریں گے۔

☆☆☆

سوال: میں ایک سکول کی پرنسپل ہوں۔ مجھے جو تنخواہ ملتی ہے میں اس کا ایک تہائی ضرورتمند سادات و مومنین کی امداد اور دینی کاموں پر خرچ کرتی ہوں۔ اب میں نے زیارات اور عمرہ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو ہمارے علاقے کے ایک مولوی صاحب کہہ رہے ہیں کہ اپنی سب چیزوں کا خمس ادا کر کے جائیں، نہیں تو کم از کم عمرہ و زیارات کے سفر کے اخراجات کا خمس ضرور ادا کریں ورنہ عمرہ اور زیارات قبول نہیں ہوں گی۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک تہائی آمدنی ضرورتمند سادات و مومنین کی امداد اور دینی کاموں پر خرچ کرتی ہوں لیکن وہ اصرار کر رہے ہیں کہ یہ مستحب عمل ہے، خمس تو ہر حال میں ادا کرنا ہوگا۔ مولوی صاحب کی اس بات نے مجھے پریشان کر دیا ہے، میری رہنمائی کیجیے۔

جواب: آپ کی آمدنی اور بچت آپ کے عمل اور محنت کی کمائی میں آتے ہیں، ان پر خمس سرے سے واجب ہی نہیں ہے۔ خمس مَا غَنِمْتُمْ یعنی مال غنیمت پر ہے۔ اگر آمدنی یا بچت پر خمس واجب ہو بھی جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی جو کچھ آپ کر رہی ہیں اس سے آپ کا خمس اور زکوٰۃ دونوں ادا ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ پر کوئی خمس و زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ آپ اطمینان اور سکون کے ساتھ سفرِ عمرہ و زیارات پر جائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سفر بخیر کرے، آپ کے عمرہ و زیارات اور دیگر عبادات کو قبول اور آپ کی دعاؤں کو مستجاب فرمائے اور آپ کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

بیٹی کی شادی کے اخراجات کا خمس:

سوال: ہماری مسجد کے مولوی صاحب خمس کے بارے میں درس دے رہے تھے۔ درس کے بعد میں نے ان سے سوال کیا کہ میری بیٹی کی شادی ہونی ہے اور میں اس کی شادی کے لیے کچھ عرصے سے تھوڑی تھوڑی کر کے چیزیں تیار کر رہا ہوں اور شادی کے اخراجات کے لیے بچت بھی کر رہا ہوں۔ تو کیا شادی کے لیے بنائی جانے والی ان چیزوں پر اور شادی کے اخراجات کے لیے کی جانے والی بچت پر خمس ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اگر ایک سال گزر چکا ہے تو ان کا خمس ادا کرنا واجب ہے۔ میں اس بات سے کافی پریشان ہو گیا ہوں۔

جواب: تھوڑا سا عقل و شعور کو استعمال کریں تو اس سوال کا جواب خود بخود واضح ہو جائے گا۔ فرض کریں آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ہوتے اور آپ کو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا اور آپ امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے کہ مولا میری بیٹی کی شادی نزدیک ہے، اتنا انتظام میں نے کر لیا اور اتنی رقم کی کمی مزید ضرورت ہے۔ سوچ کر بتائیں کہ امام علیہ السلام کیا کرتے؟ کیا وہ اپنے پاس سے باقی رقم آپ کو عطا کر کے آپ کی ضرورت پوری کرتے یا آپ سے یہ کہتے کہ بیٹی کی شادی کے اخراجات کا انتظام کرتے رہنا فی الحال تو جو کچھ جمع کیا ہے اس کا پانچواں حصہ مجھے دے دو؟ اگر مولوی صاحب میں ذرا بھی معرفت امام ہوتی اور وہ امام علیہ السلام کی راہ پر چلنے والے ہوتے تو وہ اپنے پاس موجود خمس فنڈ سے آپ کی ضرورت پوری کرتے یا کسی بڑے مولوی سے آپ کی ضرورت پوری کروا دیتے جس کے لیے وہ کمیشن پر خمس جمع کرتے ہیں۔ خمس صرف مال غنیمت پر واجب ہوتا ہے اور جو کچھ آپ نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے جمع کیا ہے وہ کسی لحاظ سے بھی مال غنیمت کے زمرے میں نہیں آتا لہٰذا اس پر خمس واجب نہیں ہے۔

☆☆☆

سوال: اگر موجودہ نظام خمس کو ختم کر دیا گیا تو حوزہ ہائے علمیہ اور دین کی ترویج و تبلیغ کے کام کا کیا بنے گا اور ضرورتمند سادات کی کفالت کیسے ہو گی؟

جواب: اس سوال کا جواب ہے زکوٰۃ کا احیاء۔

مسئلہ زکوٰۃ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ہمارا رسالہ: مسائل زکوٰۃ: قرآن و سنت کی روشنی میں۔

بد قسمتی سے مجتہدین نے زکوٰۃ کی جو شکل بنا دی ہے اس سے اہل تشیع میں عملی طور پر زکوٰۃ ختم ہی ہو گئی

ہے۔قرآن مجید میں زکوٰۃ کا ذکر سو سے زیادہ مرتبہ آیا ہے لیکن کوئی اس کی بات ہی نہیں کرتا۔آپ نے کبھی کسی شیعہ عالم کو زکوٰۃ کی بات کرتے نہیں سنا ہوگا۔لیکن خمس کا ذکر قرآن مجید میں صرف ایک بار آیا ہے اور وہ بھی میدان جنگ سے حاصل ہونے والی غنیمت کے بارے میں، لیکن جس شیعہ مولوی کو دیکھو خمس خمس خمس خمس کر رہا ہے۔ قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔غیر ذمہ دار ذاکرین نے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو نماز سے بیگانہ کر دیا اور مجتہدین نے زکوٰۃ سے بیگانہ کر دیا۔فرق صرف اتنا ہے کہ غیر ذمہ دار ذاکرین کی تمام تر کوششوں کے باوجود بہت سے لوگ نماز پڑھتے ہیں اور مساجد میں نماز ہوتی ہے۔لیکن مجتہدین نے زکوٰۃ کی جڑ اس طرح کاٹ دی ہے کہ زکوٰۃ کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔اس سوال کا دوسرا حصہ بہت حیرت ناک ہے۔ موجودہ نظام خمس سے حوزہ ہائے علمیہ اور مولوی صاحبان کی کفالت تو ہو رہی ہے لیکن سادات کی کفالت کہاں ہو رہی ہے۔ذاتی تعلقات اور سفارشوں کی ذریعے کبھی کسی محتاج سید کو کچھ مل جائے تو وہ ایک الگ بات ہے ورنہ ضرورت مند اور سفید پوش سادات کی کفالت کا کوتو کوئی انتظام ہی نہیں ہے۔اگر کوئی سفید پوش سید کبھی کسی مولوی یا ان کی اجازت یافتہ کسی فلاحی تنظیم کے پاس جا کر مدد کی درخواست کرے تو اس کے مستحق ہونے کے بارے میں اس سے اس انداز میں تفتیش کی جاتی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ کاش میں نے بھیک مانگ کر اپنی ضرورت پوری کر لی ہوتی مگر ان کے پاس نہ گیا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی اصل اور حقیقی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

مسائل خمس کا خلاصہ

مسئلہ 1۔خمس چار چیزوں پر واجب ہے جو یہ ہیں:

1۔میدان جنگ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت۔

2۔کنز یعنی زیر زمین دفن شدہ یا کسی بھی صورت میں چھپایا گیا خزانہ۔

3۔معادن یعنی زمین اور پہاڑوں کی کانوں میں سے حاصل ہونے والی اشیاء جیسے سونا، چاندی، تانبہ ہیرے، پٹرول اور دیگر معدنی ذخائر۔ 4۔غوص یعنی دریا اور سمندر میں غوطہ زنی سے حاصل ہونے والے موتی۔

چونکہ غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو بغیر محنت ومشقت کے ہاتھ آئے، بنابریں پرائز بانڈ کے انعام میں ملنے والی رقم بھی غنیمت کے زمرے میں آتی ہے اور اس کا خمس ادا کرنا واجب ہے۔

نوٹ: انعامی بانڈ پر ملنے والی رقم پر حکومت ٹیکس وصول کرتی ہے۔ اگر ٹیکس کی مقدار خمس کے برابر ہو تو اس صورت میں اس پر مزید کوئی خمس واجب نہیں ہوگا۔ اگر ٹیکس کی رقم خمس سے کم ہو تو باقی ماندہ ادا کردینے سے خمس ادا ہوجائے گا۔ اسی طرح دور حاضر میں ہر حکومت نے اپنی زمینی اور سمندری حدود میں موجود زیر زمین اور زیر آب دولت کو قومی تحویل میں لے کر اسے قومی دولت قرار دے دیا ہے اور اس کو نکالنے اور اس سے استفادہ کے لیے ہر ملک کا اپنا قانون موجود ہے اور اس دولت کو نکالنے پر ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ ٹیکس خمس کے برابر ہو تو پھر ان پر بھی مزید خمس واجب نہیں ہوگا اور اگر ٹیکس کی مقدار خمس سے کم ہے تو باقی ماندہ ادا کرنے سے خمس کی ادائیگی مکمل ہوجائے گی۔

مسئلہ 2۔ تجارت، زراعت، محنت مزدوری، ملازمت اور کسی بھی قسم کے عمل سے کمائی ہوئی آمدنی اور اس میں سے باقی رہ جانے والی بچت پر خمس واجب نہیں ہے۔

مسئلہ 3۔خمس کے چھ حصے ہیں:

1۔اللہ کا حصہ۔2۔رسول اللہ کا حصہ۔3۔ذی القربیٰ یعنی رسول اللہ کے قرابتداروں یعنی سادات کا حصہ۔

4۔یتیموں کا حصہ۔5۔مساکین کا حصہ۔6۔مسافروں کا حصہ۔

مسئلہ 4۔اللہ کا حصہ اور رسول اللہ کا حصہ رسول اللہ دریافت فرمایا کرتے تھے اور دین کی تبلیغ اور دینی خدمات پر اور اپنے خاندان کی ضروریات پر صرف کرتے تھے۔ رسول اللہ کے قرابت داروں میں سے جو فقیر، مسکین اور ضرورتمند تھے ان کی کفالت آپ ذی القربیٰ کے حصے سے کرتے تھے۔ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا حصہ بھی رسول اللہ خود دریافت کر کے اسلامی حکومت کے الٰہی سربراہ کی حیثیت سے امت کے فقراء ومساکین اور ضرورتمندوں پر صرف کرتے تھے۔

مسئلہ 5۔رسول اللہ کے قرابتدار صرف قرابتداری کی وجہ سے خمس کے حق دار نہیں تھے۔ بلکہ ان میں سے جو فقیر، مسکین، یتیم اور مسافر تھے وہی خمس کے حقدار تھے۔اس طرح سادات کے مستحقین ذی القربیٰ میں آجاتے ہیں اور ان چھ حصوں میں سے ایک حصہ یعنی تیسرا حصہ جو ذی القربیٰ کا حصہ ہے سہم سادات ہوگا۔ باقی ماندہ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے مراد امت کے غیر سید یتیم، مسکین اور مسافر ہیں۔

مسئلہ 6۔رسول اللہ کے بعد اللہ اور رسول کا حصہ جانشین رسول کی حیثیت سے امام علیہ السلام کو ملے گا۔ ذی القربیٰ کا حصہ سادات کے فقراء و مساکین، یتامیٰ اور مسافروں کو ملے گا اور آخری تین حصے امت کے فقراء و مساکین، یتیموں اور مسافروں کو ملیں گے۔ بنابریں یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ زمانہ غیبت میں خمس کے دو حصے ہیں ایک سہم امام اور دوسرا سہم سادات، درست نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلے دو حصے یعنی اللہ اور رسول اللہ کا حصہ جو دین کی تبلیغ اور دینی خدمات کے لیے صرف کیے جائیں گے وہ جانشین رسول کے طور پر امام علیہ السلام کے ساتھ مختص ہوں گے یعنی سہم امام ہوں گے۔تیسرا حصہ یعنی ذی القربیٰ کا حصہ سادات کے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا حصہ یعنی سہم سادات ہوگا اور آخری تین حصے امت کے عام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہوں گے۔

مسئلہ 7۔امام زمانہ علیہ السلام کی ایک توقیع مبارک کے مطابق زمانہ غیبت میں سہم امام کی ادائیگی معاف ہے۔اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو یہ مستحب ہے۔اگر اس کو واجب بھی مان لیا جائے تو سہم امام مجتہد کو دینا یا اسے خرچ کرنے کے لیے مجتہد کی اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔اگر آپ کے پاس ایسا مال ہے جس کا خمس ادا کرنا واجب ہے اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین کی تعلیمات کے مطابق اسے صحیح طور پر صرف کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو آپ بلا جھجک صرف کر سکتے ہیں۔

مسئلہ 8۔اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کے اندر اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین کی تعلیمات کے مطابق خمس کو صحیح طور پر صرف کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو آپ کسی بھی ایسے شخص کو جس میں یہ صلاحیت موجود ہو اپنا وکیل بنا سکتے ہیں۔اس کے لیے مولوی، مجتہد یا مرجع ہونا ضروری نہیں ہے۔

مسئلہ 9۔خمس، زکوٰۃ، فطرہ اور دوسرے مالی واجبات معاشرے سے غربت کے خاتمہ اور معاشرے اور قوم کی اجتماعی ضروریات کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔لہٰذا جب تک کسی معاشرے میں غربت موجود ہو اس معاشرے کے خمس وزکوٰۃ کی رقوم اس معاشرے سے باہر بھیجنا جائز نہیں ہے۔ بنابریں جب تک پاکستان میں خمس وزکوٰۃ کا ایک بھی مستحق موجود ہے خمس اور زکوٰۃ کی رقم پاکستان سے باہر بھیجنا حرام ہے۔مگر یہ کہ کسی ملک میں کوئی بہت بڑی قدرتی آفت آجائے اور ہنگامی طور پر اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو۔۔۔۔والحمدللہ رب العالمین